ڈاکٹر مختار الدین احمد

منتخب القوافی از عشقی عظیم آبادی

(ایک تعارف)

شیخ محمد وجیہ الدین عشقیؔ عظیم آبادی کے تفصیلی حالات ان کے شاگرد حسین قلی خاں نے تذکرہ ''نشترِ عشق'' (۱۲۲۴ھ-۱۲۳۳ھ) میں درج کیے ہیں۔ نسخۂ کتب خانۂ خدا بخش (شمارہ ۲۴۲) سے یہاں اس کا اختصار پیش کیا جاتا ہے:

شیخ محمد وجیہ الدین عظیم آبادی سلمہٗ اللہ تعالیٰ خلف الصدق شیخ غلام حسین متخلص بہ ''مجرمؔ'' است۔ کلامش در شیرینی و روانی سبقت از آبِ کوثر و زمزم بردہ و در شفافی و صفائی رونمائی از آئینہ گرفتہ۔ تکلم بطرز خاص می کند و تلاش خوب و مرغوب می نماید۔ اگرچہ در عربیت زیادہ از صرف و نحو تحصیل نہ کردہ، امّا فارسیت خوب پیدا نمودہ، مصطلحات و زبان دانی آں حاصل ساختہ۔ غزل صاف و عاشقانہ می گوید و انشاء رنگین و پسندیدہ می نویسد۔ آنجناب با راقم بسیار محبت می نمودند اکثر برائے دیدن بہ کاشانہ ام قدم رنجہ می فرمودند، و بندہ را نیز ایشاں موانست و ائتلاف

بودہ۔در بدو حال باستادی خود گزیدم و تا شش ماہ چند کتب فارسی تحصیل نمودم و استفادۂ صحبت برداشتم ...اللہ تعالیٰ ایشاں را بہر حال وآوان بفضل خود خوش و خرم نگاہ دارد۔دیوان آن دردمند کہ حاضر است ردیف وار انتخاب کردہ داخل مجموعۂ ہٰذا نمود۔(ق ۱۲۳۵ھ)

میر وزیر علی عبرتیؔ [1] عظیم آبادی، تذکرہ ''معراج الخیال'' میں لکھتے ہیں:

''عشقی، اسمِ گرامی آن سرِ حلقۂ جادو زبانانِ ہند شیخ محمد وجیہ الدین است خلف الصدق شیخ غلام حسین متخلص بجرم۔بوم زاد حمیدہ بنیادش شہر مینو سواد عظیم آباد و کلام شکر بارش در شیرینی ہمشیرۂ آبِ کوثر و اشعارش در شفافی و صفائی روکش صد آئینۂ سکندر۔تلاش خیلے و مرغوب نمود، و تکلم بطرز:

نصیب از دمِ تیغِ تو شد شہادتِ ما
زہے شہادتِ ما و زہے سعادتِ ما

چوں آئینہ حیرانم روئے کہ بیاد آمد
بسیار پریشانم موئے کہ بیاد آمد

(تذکرہ عشقی نسخۂ قاضی عبدالودود)

شیخ محمد وجیہ الدین، ''عشقی'' شیخ غلام حسین مجرمؔ کے بیٹے تھے جو میر عبداللہ سرشارؔ کے شاگرد تھے۔عشقی نے ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد سے حاصل کی، پھر انھوں نے ''جامعِ فنونِ سخن دانی، واقفِ قانونِ عالمِ معانی، فخر المتاخرین، اشرف المعاصرین، افصح الفصحا، جناب شاہ محمد وفاؔ، شاگرد مرزا عبدالقادر بیدل'' کے سامنے زانوے تلمذتہ کیا اور سرمایۂ استعداد فراہم کیا۔عشقی کو فارسی زبان پر قدرت حاصل تھی اور ان کے فارسی اشعار کی شیرینی و روانی اور شفافی و صفائی کی بعض تذکرہ نویسوں نے تعریف کی ہے۔ان کی فارسیت و زبان دانی کا اعتراف کیا ہے اور ان کی انشا کو رنگین و پسندیدہ بتایا ہے۔

عشقی کے سنینِ ولادت و وفات کہیں نہیں ملتے۔آقا حسین قلی خاں ''عاشقی''، عظیم آبادی (۱۱۹۴ھ۔۱۲۵۲ھ) کا، جنھوں نے عشقی سے اس عہد کے متداول درسیات کا سبق لیا تھا، سالِ ولادت ۱۱۹۴ھ ہے، اگر استاد کو شاگرد سے بیس سال بھی بڑا مانا جائے تو عشقی کا سالِ ولادت ۱۷۵۸ء کے لگ بھگ قرار دیا جا سکتا ہے۔۱۲۲۴ھ/ ۱۸۰۹ء۔۱۸۱۰ء تک ڈھاکا میں ان کے زندہ رہنے کا ثبوت ملتا ہے۔ان کی وفات غالباً بہت بعد کو ہوئی۔ڈاکٹر سید امیر حسن عابدی کے ایک مضمون سے معلوم ہوا

کہ ''دیوانِ عشقی'' (نسخۂ پشاور) میں فقیر محمد خاں گویا کی رحلت کا قطعۂ تاریخ درج ہے۔ حسام الدولہ نواب فقیر محمد خاں بہادر لکھنوی شاگرد ناسخ لکھنوی (متوفی ۱۲۵۴ھ) کی وفات ۱۲۶۸ھ میں ہوئی ہے۔ اس طرح عشقی کی وفات ۱۲۶۸ھ یا اس کے بعد ہوئی ہوگی۔ عبرتی عظیم آبادی کے تذکرہ ''معراج الخیال'' کا نسخۂ پٹنہ اور کتب خانۂ پنجاب یونیورسٹی، لاہور اور ذخیرۂ مولانا طالب جوہری کے نسخوں کے عکس جو مشفق خواجہ صاحب کی مہربانی سے حاصل ہوئے ہیں میرے پیشِ نظر ہیں، لیکن تینوں نسخوں میں عشقی کے ترجمے ہیں ''در بقعۂ پاک ڈھاکہ در بارِ سفرِ آخرت بست'' لکھا ہوا ہے اور سالِ وفات کی جگہ بیاض ہے۔ قاضی عبدالودود مرحوم نے اپنے رسالے ''معیار'' کے مارچ ۱۹۳۶ء کے شمارے میں کچھ ادبی استفسارات چھاپے تھے۔ پہلا استفسار یہ تھا: ''وزیر علی عبرتی کا لکھا ہوا ایک تذکرہ کلکتے میں ہے، اور اس میں وجیہ الدین عشقی عظیم آبادی کا بھی ترجمہ ہے۔ وفات کا یہاں پر ذکر آیا ہے۔ سنہ کی جگہ چھوٹی ہوئی ہے، کیا دوسرے نسخوں میں سالِ وفات درج ہے؟ ناظرینِ ''معیار'' کو اگر کچھ معلوم ہو تو مجھے مطلع فرمائیں، ممنون ہوں گا۔'' (ص۹۶) قاضی صاحب کی وفات ۱۹۸۴ء میں ہوئی۔ تقریباً نصف صدی گزرنے پر بھی انھیں کوئی اطلاع نہیں مل سکی۔

اصل یہ ہے کہ عبرتی کو عشقی کا سالِ وفات معلوم نہ ہوگا۔ انھوں نے اپنے تذکرے کے مسوّدے میں جگہ سادہ چھوڑ دی ہوگی کہ اطلاع ملنے پر بعد کو اضافہ کر دیں گے۔ سالِ وفات عشقی انھیں معلوم نہ ہو سکا یا کسی وجہ سے انھیں اس کے اندراج کا موقع نہ مل سکا۔ مسودے اور پھر قلمی نسخوں سے نقلیں تیار ہوتی رہیں اور بیاض کی جگہ بیاض ہی رہی، یہ بھری نہ جا سکی۔

تصانیف:

اسٹوری نے ''پرشین لٹریچر'' میں صرف ان کے تذکرۂ شعرا کا ذکر کیا ہے اور یہی مشہور بھی ہے۔ راقم کو اب تک ان کی حسبِ ذیل تصانیف کا علم ہو سکا ہے:

ا۔ تذکرۂ عشقی:

شعرائے اُردو کا تذکرہ، جس کے دو نسخوں کا اب تک پتا چلا ہے۔ ایک نسخہ ڈاکٹر اشپرنگر کے پاس تھا، اب کتب خانۂ بوڈلیان، آکسفورڈ میں محفوظ ہے۔ دوسرا نسخہ قاضی عبدالودود کی ملکیت ہے، ان کی وفات کے بعد کہاں گیا معلوم نہیں۔ ان کی کتابیں کتب خانۂ خدا بخش بانکی پور اور کتب خانۂ ایوانِ غالب نئی دہلی میں بطور عطیہ محفوظ ہو گئی ہیں لیکن میرے علم کے مطابق وہاں ''تذکرۂ عشقی'' موجود

نہیں۔ یہ تذکرہ قاضی صاحب مرتب کرنا چاہتے تھے۔اس کے کچھ اجزا کی نقل جو قاضی صاحب کے قلم سے ہے میرے پاس محفوظ ہے۔ نسخۂ آکسفورڈ سے ۲۲ شعراء کے تراجم غائب ہیں اور دو کے ترجمے ناتمام ہیں، یہ قاضی صاحب کے نسخے میں موجود ہیں۔ان تراجم کی نقل میں نے ان سے منگوائی تھی، کچھ اور شعراء کی بھی۔انھوں نے کچھ بھیج دیے تھے کچھ بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ یہ میرے یورپ جانے سے پہلے کی بات ہے۔قاضی صاحب، تذکرۂ عشقی کبھی شاہ مقبول احمد (کلکتہ) اور کبھی راقم کے تعاون سے شائع کرنا چاہتے تھے، انھوں نے کچھ اجزاء کی کتابت (غالباً منشی منیرالدین، سبزی باغ، پٹنہ) سے کرا بھی لی تھی پھر ان کی رائے بدل گئی اور وہ دوسرے امور کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کتابت شدہ کچھ اجزاء میں نے دیکھے تھے۔ چھوٹی تقطیع پر بہت گنجان کتابت انھوں نے کرائی تھی، میں نے کہا حواشی واختلافِ نسخ کے لیے ہر صفحے کے نیچے کاتب نے جگہ نہیں چھوڑی ہے۔فرمایا، وہ تذکرے کی تکمیل کے بعد آخر میں درج کیے جائیں گے۔ بہت دنوں کے بعد کلیم الدین احمد (صدر شعبۂ انگریزی، پٹنہ یونیورسٹی) نے ''تذکرۂ عشقی'' اور ''تذکرۂ شورش''، ''دو تذکرے'' کے نام سے ''دائرہ ادب'' پٹنہ سے دو جلدوں میں ۱۹۵۹ء۔ ۱۹۶۳ء میں شائع کر دیے۔ایک اچھے علمی وتنقیدی اڈیشن کی اب بھی ضرورت ہے۔

اس تذکرے کے زمانۂ تصنیف کے متعلق قاضی صاحب لکھتے ہیں: ''فہرستِ اشپرنگر میں تذکرے کا زمانۂ تالیف ۱۲۱۵ھ مرقوم ہے مگر یہ اس سے چند سال قبل شروع ہوا اور ۳۰ھ کے لگ بھگ تمام ہوا۔اس میں طپش کی وفات کا ذکر ہے جو (غالباً) ۱۲۳۰ھ میں رہے ہیں۔اس میں نوا بدایونی (متوفی ۴۰ھ یا ۴۱ھ) کا مرنا بھی لکھا ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ ایک زمانے تک (نوا کے ہند سے باہر چلے جانے کی وجہ سے) ان کے حالات سے بے خبری کی بناء پر عشقی نے فرض کر لیا تھا کہ وہ بقیدِ حیات نہیں'' (نقوش اکتوبر ۱۹۵۸ء)۔ میرا خیال ہے کہ یہ تذکرہ ۱۲۱۵ھ سے دس بیس سال پہلے لکھا جانا شروع ہو گیا تھا جیسا کہ بعض اندرونی شہادتوں سے پتا چلتا ہے۔

۲۔دیوانِ فارسی:

عشقی کے چار دیوان مرتب تھے۔دو مختصر فارسی دیوان سنجیدہ کلام پر مشتمل ہیں اور دو دیوانِ ہزلیات ہیں۔ ان کی ہزلیہ شاعری کے بارے میں کسی تذکرہ نویس نے کچھ نہیں کہا۔حکیم محمد حبیب الرحمٰن مرحوم کے پاس یہ چاروں دیوان تھے اور یہ چاروں دواوین انھوں نے قاضی عبدالودود مرحوم کو مطالعے کے لیے بھیجے تھے۔ یہ کتب خانۂ جامعۂ ڈھاکا میں محفوظ ہونے چاہییں۔اس لیے کہ حکیم صاحب کی وفات کے بعد ان کی بیش تر کتابیں ان کے اعزہ نے وہاں دے دی تھیں۔ پروفیسر محمد کلیم سہسرامی نے

کتب خانۂ جامعہ ڈھاکا میں صرف دو دیوان دیکھے تھے۔ ایک ۱۱۸ صفحات پر مشتمل تھا جس میں غزلیں، رباعیاں، مخمس اور ترجیع بند ہیں۔ دوسرے دیوان کے صفحات ۱۲۶ ہیں۔ اس میں غزلیں، ۲۴ رباعیاں، ایک مخمس اور کچھ فردیات ہیں۔ مجھے یاد آتا ہے کہ فہرستِ کتب خانۂ جامعہ ڈھاکا مرتبہ پروفیسر حبیب اللہ میں دیوانِ عشقی کا ذکر ہے۔ اس کی جلد اوّل اس وقت تلاش سے نہیں ملی۔ قیامِ ڈھاکا کے دوران دیوان دیکھنا چاہا لیکن نہیں ملا۔

عبرتی نے عشقی کا ایک دیوان، عشقی کے شاگرد خواجہ حیدر جان شائق (م تقریباً ۱۲۸۱ھ) کے پاس بھی دیکھا تھا۔

دیوانِ عشقی کا ایک نسخہ کئی سال پہلے ڈاکٹر سیّد امیر حسن عابدی کو پشاور یونیورسٹی کے مرکزی کتب خانے میں ملا۔ (رقم ۶۵۱) اس میں غزلیات، رباعیات کے ساتھ مخمس اور متعدد قطعاتِ تاریخ ہیں۔ غزلیات کی ابتداء اس شعر سے ہوتی ہے:

من و بردن روم از کوئے تو ستمگارا
اجل گرفتہ ز مقتل کجا کشد پا را

عاشقی عظیم آبادی نے اپنے استاد عشقی کے دو سو سے زیادہ اشعار ردیف وار انتخاب کر کے اپنے تذکرۂ ''نشترِ عشق'' میں درج کیے ہیں۔ دیوان کی اشاعت ابھی ممکن نہ ہو تو یہ انتخابِ اشعار ہی شائع کر دینا چاہیے۔

۳۔ قصیدۂ اُردو:

عشقی تخلص کے ایک شاعر کا اُردو قصیدہ سید حسن عسکری مرحوم کو ملا تھا، جو انھوں نے قاضی عبدالودود کو پیش کر دیا تھا۔ جو مؤخر الذکر کے بغیر ممکن ہے شیخ وجیہ الدین عشقی عظیم آبادی ہی کا ہو۔ یہ قصیدہ انھوں نے ادارۂ تحقیقاتِ اُردو کی اس نمایش میں رکھا تھا جو پٹنہ میں اواخر نومبر ۱۹۵۹ء میں منعقد ہوئی تھی۔ یہ قصیدہ کسی سیّد عطا حسین کی مدح میں ہے جن کی شخصیت راقم پر اب تک واضح نہیں ہو سکی ہے۔ قصیدہ اس مصرع سے شروع ہوتا ہے:

ہے ان دنوں چمنِ دہر میں وہ فصلِ بہار

اس کا آخری شعر یہ ہے:

زباں کو روک، تو خاموش ہو اب اے عشقی
نہ اس کی مدح کا دل میں خیال کر زنہار

عشقی، فارسی گو شاعر ہے۔ اس کے اب تک صرف پان سات ہی اُردو شعر ملے ہیں، اس لیے اس قصیدے کی اہمیت ظاہر ہے۔

۴: بیاضِ عشقی:

عشقی کی ایک بیاض بھی حکیم حبیب الرحمٰن صاحب کے پاس ڈھاکے میں تھی۔ مجھے وہاں تلاش پر نہیں ملی۔ یہ دریافت ہو جائے تو مستبعد نہیں کہ اس سے بعض اہم اور قیمتی ادبی معلومات حاصل ہوں۔

۵۔ جامع العَروض:

عشقی نے ''منتخب القوافی''، جس کا ذکر ابھی آ رہا ہے، مرتب کرنے سے پہلے نسبتًا ایک ضخیم کتاب علمِ عروض پر لکھی تھی۔ بعد کو خاتمۂ کتاب سے قوافی کی بحث علاحدہ کر کے ایک مختصر سا رسالہ انھوں نے علاحدہ مرتب کیا۔ وہ لکھتے ہیں: ''ایں مختصریست کافی در علم قوافی از خاتمۂ کتاب جامع العروض، کہ قبل ازیں ۰۰۰ درفنِ سخن دانی تالیف نمودہ۔ الحال ۰۰۰ چند اوراق بمصداق خیر الامور اوسطہا، پذیرائے تحریر سازد''۔

''جامع العروض'' کا کسی تذکرہ نویس نے ذکر نہیں کیا اور نہ اس کے کسی نسخے کے وجود کی اب تک اطلاع ملی ہے۔

۶۔ منتخب القوافی:

شیخ وجیہ الدّین عشقی عظیم آبادی مؤلف ''تذکرہ شعرائے اُردو'' کے رسالے ''منتخب القوافی'' کا ذکر میں نے کہیں نہیں دیکھا، لیکن اس کا ایک قلمی نسخہ ایک ادبی نمایش میں جو پچاس سال پہلے پٹنہ میں ہوئی تھی، میری نظر سے گزرا تھا اور اس زمانے میں، میں نے اس سے متعلق ایک یادداشت لکھ لی تھی۔ سطورِ ذیل اسی یادداشت پر مبنی ہیں۔

منتخب القوافی کے صفحات کی تعداد ۱۳۱ ہے۔ صفحہ اول و آخر میں سطروں کی تعداد علی الترتیب ۶ اور ۱۱ سطریں ہیں۔ رسالے کی ابتداء ان سطور سے ہوتی ہے:

> ''بعد از قافیہ سرائی حمد سخن پرداز معنی آفرین و پس از غزل سرائیِ نعت نبوت طراز عقلِ اوّلین می گوید فقیر حقیر ابجد آموز دبستانِ بے استعدادی، عشقی عظیم آبادی کہ ایں مختصریست کافی در علم قوافی از خاتمۂ کتاب ''جامع العروض'' کہ قبل ازیں ۰۰۰ درفنِ سخنِ دانی تالیف نمودہ، الحال بالتماس بعضے از محبان سخن رس و سخن

رسانِ روشن نفس چند اوراق بمصداق مضمون فیض مشحون خیرالامور اوسطہا پذیرائے تحریری سازد چوں بہ فضلِ ایزدی وعون سرمدی ایں رسالہ بہ اتمام رسید، بہ ''منتخب القوانی'' موسوم گردید۔قطعۂ تاریخ:

حبذا ایں رسالہ (شد) رنگین
کہ ازو طبع شاعراں شد شاد
گفت ہاتف دعائیہ تاریخ
یادگارِ سخن طرازاں باد

امید ہے کہ قافیہ سنجان بزمِ نکتہ پروری بہ چشم الطاف ملاحظہ فرمایند وجگرِ مؤلف بے چارہ کہ......بیش نیست بہ زخم ناخن انگشت اعتراضِ بے جاوتوجہاتِ چون وچرافگار نشودوباللہ التوفیق''۔

''منتخب القوانی'' جیسا کہ اقتباسِ بالا سے معلوم ہوتا ہے عشقی کی ''جامع العروض'' کا خاتمہ ہے، مگر عشقی نے اسے ایک مستقل رسالے کی شکل دے دی ہے۔مصرعِ تاریخ سے ۱۲۲۱ھ کے اعداد نکلتے ہیں، یہ اس رسالے کی تاریخِ تصنیف ہوئی۔

رسالے کا خاتمہ ان سطور پر ہوتا ہے:

''المنۃ للہ تعالیٰ وتقدس کہ شاہد تالیف ایں رسالۂ دل کشا ونسخۂ فرحت افزا کہ نمک ریزیِ فقراتِ سادہ ونمکین، درنمک آمیزیِ اشعارِ آبدار دل نشین، رشک سبزانِ ہندونگار خانۂ چین است سراز منظرِ آغاز برآوردو بہ خلوت کدۂ انجام جلوہ افروز گردیدوطبع عاشق سخن معنی پسندنوید مسرت جاوید خاتم بالخیر بگوشِ ہوش سریرآرایانِ کشورِ سخن دانی ومسند سرایانِ قلمروِ نکتہ دانی رسانید:

ایں نسخہ کہ باشد گلِ گل زارِ معانی
آبے برخ آوردہ از وکارِ معانی
اندر چمنش بس کہ گلِ قافیہ بشگفت
بشگفت از و طبع خریدارِ معانی
تمام شد تاریخ......
ماہ ساڑھ روز چہار شنبہ سنہ ۱۲۶۰ فصلی''

عشقیؔ نے سند میں حسبِ ذیل شعراء کے اشعار پیش کیے ہیں: سعدیؔ، حافظؔ، جامیؔ، طاہر وحید، فیضیؔ، محمد حسین آشوبؔ، کلیمؔ، وحشیؔ، اہلی خراسانی، محتشم کاشیؔ، صائبؔ، حزیںؔ، قدسیؔ، ہلالیؔ، منیرؔ لاہوری۔

عشقیؔ نے اپنے اشعار سے بھی سند دی ہے، دیوان اب تک غیر مطبوعہ ہے، اس لیے یہ اشعار یہاں درج کیے جاتے ہیں:

بے قدر کس بہ عشق نہ شد ایں قدر کہ ما
یک بیدلے نہ گشتہ چنیں در بدر کہ ما
لیلیٰ نہ بود آں ہمہ بیگانہ خو کہ تو
مجنوں نہ کرد ایں ہمہ خاکے بسر کہ ما
شیریں نہ داشت ایں ہمہ شیریں لبے کہ تو
فرہاد جاں نہ داد چنیں سہل تر کہ ما
عذرا نہ داشت ایں رخِ سحر آفریں کہ تو
وامق نہ ریخت ایں ہمہ خونِ جگر کہ ما
ایوب کرد در دلِ سنگین او اثر
کس نالہ سر نہ کرد چنیں بے اثر کہ ما
"عشقیؔ" بہ جامِ عشق زخود بے خبر شدیم
یارب کسے مباد چنیں بے خبر کہ ما

کج ادائی شعارِ یارِ من است
نیک بدخو جفا شعارِ من است

چوں بہ چمن آں نگار با رخِ زیبا رسید
لالہ شد از رشک داغ غنچہ گریباں درید

چوں سرخ کرد زمے شوخِ گل عذار عذار
ربود یک بہ یک از جانِ بے قرار قرار

... چوں صنوبر دے رخت شک قمر
غنچہ را از رشکِ لعلت خارِ حسرت در جگر

ما دردِ دلِ خویش نہفتیم نہ گفتیم
تا شب سحر از درد نہ خفتیم نہ گفتیم

تا کے جفاے ہجر کشد درد مند تو
فریاد از مزاجِ تغافل پسند تو

تا چند ز ناز سر گرانی
از من فداے بدگمانی

عشقِ گُلِ روے تو مرا مجنوں کرد
بوے گیسوے تو مرا مفتوں کرد
دل بشگفت از سر چمن آہ چہ ساں
شوقِ سرِ کوے تُو مرا محزوں کرد

من در غمِ ہجرِ تو ز جان آہ بجاں
تن در غمِ ہجرِ تو ز جان آہ بجاں
رحمے کہ دلِ غم زدہ آمد اے دوست
اندر غمِ ہجرِ تو ز جان آہ بجاں

یارب دلِ حق بیں (بمنِ) بیدل دہ
کوشش بہ ... منِ بیدل نہ